علامہ محمد اقبال کا فلسفۂ خودی ڈاکٹر جاوید اقبال کی نظر میں

ساجد جاوید
حسن رضا اعوان

Abstract:

"AfkarIqbal (Tashreehat e Javed)" is a book containing essays by Dr. Javed Iqbal. This book contains seventeen articles.This book was published by Iqbal Academy in 1994. According to Dr. Javed Iqbal, during the tenure of General Zia ul Haq, PTV recorded fifteen lectures from him, which were telecast on TV throughout the year. When Dr. Javed Iqbal became a Senator, instead of sitting idle in the Senate session, he decided to compile a book containing these lectures. This book became very popular after its publication. It has also been translated into Persian. In this work, various aspects of Iqbal,s concept "Khudi" have been explained. In this research article, these aspects of Iqbal,s cocept of "Khudi" will be studied with reference to "Afkar e Iqbal (Tashreehat e Javed" by Dr. Javed Iqbal.

"افکار اقبال" (تشریحات جاوید) ڈاکٹر جاوید اقبال کے مضامین پر مشتمل کتاب ہے۔اس کتاب میں سترہ مضامین شامل ہیں۔ یہ کتاب 1994ء میں اقبال اکیڈمی نے شائع کی۔ یہ کتاب شائع ہونے کے بعد بہت معروف ہوئی۔اس کا فارسی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔افکار اقبال کی تعبیر ڈاکٹر جاوید اقبال کا محبوب موضوع تھا۔انھوں نے اپنے تئیں افکار اقبال کو سمجھنے اور قارئین تک ان افکار کی بہترین تفہیم پیش کرنے کی بھرپور سعی کی۔ان کے مطابق ان کی اقبال شناسی ان کی ذاتی کاوش ہے۔ان کا یہ فن کسبی ہے۔[1] "افکار اقبال" (تشریحات جاوید) میں مشمولہ پندرہ مضامین اقبال کے فلسفۂ خودی، ایک مضمون اردو شاعری میں علامہ محمد اقبال کے مقام و مرتبہ اور ایک مضمون سیکولرازم کے نظریے کی تفہیم پر مشتمل ہے۔مجموعی طور پر اس تصنیف میں علامہ محمد اقبال کے تصور خودی کا موضوع غالب ہے۔افکار اقبال (تشریحات جاوید) میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے خودی کیا ہے؟ خودی کا استحکام، اجتماعی خودی ،خودی، عقل اور وجدان، خودی اور جبر و اختیار، خودی اور زمان و مکاں، خودی اور حیات بعد موت اور خودی اور مسلم ریاست ایسے موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے فلسفۂ اقبال کی سہل اور بہترین تفہیم کو پیش کیا۔

علامہ محمد اقبال کا فلسفۂ حیات خودی ہے۔ انھوں نے اپنے کلام میں خودی کا درس دیا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال کی خودی درحقیقت خود شناسی، یعنی عرفان ذات ہے۔ خودی، علامہ محمد اقبال کے افکار کا محور ہے۔ علامہ محمد اقبال کے فلسفۂ خودی پیش کرنے کے کیا مقاصد ہیں؟ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق:

> ''اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے ادب و معاشرت یا تمدن میں تصور وحدت وجود کا فروغ تھا جس نے انھیں نفی ذات کی تعلیم دے کر بے عمل بنا دیا اور یوں وہ عملی اعتبار سے بالکل ناکارہ ہو گئے۔ پس نفی ذات یا مسلمانوں کے عملی زندگی سے فرار کے ماحول کے ردعمل کے طور پر اقبال نے اپنا تصور خودی پیش کیا۔''[۲]

فرد کی کامیابیوں کا انحصار علامہ محمد اقبال کے فلسفۂ خودی پر ہے۔ خودی کی قوت اور طاقت کی بدولت ہی انسان نے کائنات کے سربستہ رازوں کو منکشف کیا۔ قوم کی بقا اور ترقی کا راز علامہ محمد اقبال کے فلسفۂ خودی میں مضمر ہے، کیونکہ علامہ محمد اقبال کے نزدیک حیات کا تقاضا ہے کہ انسان تلاش ذات کی جستجو کرے۔ حصول ذات ہی میں اس کی ترقی و استحکام ہے۔ ہر انسان میں کئی صلاحیتیں اور قابلیتیں ناپختہ اور خام حالت میں موجود ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق ان سب پوشیدہ قابلیتوں، صلاحیتوں اور استعدادوں کو پالینے سے علامہ محمد اقبال کے ہاں مراد حصول ذات ہے۔[۳] حیات انسان کا تقاضا ہے کہ انسان معرفت ذات کے ساتھ ساتھ خودی کی حفاظت کے تقاضے بھی پورے کرے، کیونکہ خودی کے مسلسل عمل ہی سے انسانی حیات میں کشمکش ہے اور خودی کی نمود، انسانی وجود کا ثبوت ہے۔ خودی انسانی ذات کا جوہر ہے۔ اس کے عدم وجود سے انسانی ذات کے ہونے یا نہ ہونے کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ علامہ محمد اقبال کے نزدیک انسان کا جو بھی عمل اس کی خودی کی حفاظت کرتا ہے وہ خیر ہے، جو عمل خودی کو ضعف پہنچائے وہ شر ہے۔ جوہر خودی کو زندہ رکھنے کے لیے مقاصد کا تعین کرتے رہنا اشد ضروری ہے۔ اس لیے خودی کی حیات و بقا کے لیے ذوق طلب اور سوز آرزو کا ہونا ضروری امر ہے۔[۴] خودی کے استحکام اور تحفظ ہی سے خودی کو غیر فانی بنایا جا سکتا ہے، کیونکہ خودی کے استحکام اور تحفظ سے استحکام حیات مشروط ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے نزدیک استحکام خودی کے لیے علامہ محمد اقبال نے تربیت خودی کے چند مراحل کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے استحکام خودی کی چار اخلاقی اقدار کا ذکر کیا ہے۔ اول عشق کو علامہ محمد اقبال نے روایتی معانی میں استعمال نہیں کیا۔ عشق کے روایتی مفہوم میں عاشق و معشوق کی انتہائے عشق وصال ہے، جب کہ علامہ محمد اقبال کے نزدیک عشق سے مراد اپنے اندر سمو لینے یا جذب کر لینے کی خواہش ہے۔ عشق میں وصال کی بجائے فراق کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ علامہ محمد اقبال کا عشق حرکت کیا صولوں پر مبنی ہے، یعنی عشق میں بے چینی و بے قراری کا عدم وجود موت ہے۔ دوم فقر علامہ محمد اقبال کے نزدیک مادی آسائشوں کے حصول سے بے نیازی کا نام ہے۔ علامہ محمد اقبال کا فقیر دست حاجت نہیں اٹھاتا پھرتا بلکہ صاحب فقر بیدارء خودی کے سبب اپنے آپ کو انمول سمجھتا ہے۔[۵] سوم جرات، استحکام خودی کے لیے

علامہ محمد اقبال کے ہاں تیسری بنیادی قدر ہے۔ مراحل خودی کی تکمیل کے لیے جرات کا ہونا ضروری ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے نزدیک علامہ محمد اقبال کے ہاں جرات کا تعلق عسکری مقاصد سے متعلق نہیں بلکہ وہ جرات فکر وعمل پر زور دیتے ہیں۔ چہارم حریت بھی جرات فکر وعمل کے ساتھ ساتھ خودی کا اثبات ہے۔ علامہ محمد اقبال کے ہاں حریت سے مراد سیاسی ومعاشی آزادی کا حصول نہیں بلکہ تقلید کی زنجیر سے آزادی حاصل کرنا ہے۔

علامہ محمد اقبال نے استحکام خودی کے لیے تربیت خودی کے تین مراحل اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی کا ذکر بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے نزدیک خودی کا استحکام ایک مسلمان کے لیے اسی صورت میں ممکن ہے کہ اطاعت کے مرحلے میں اپنے آپ کو احکام الٰہی کا پابند بنالے اور حدود مصطفیٰ ﷺ سے تجاوز نہ کرے۔ اسی طرح ضبط نفس وہ مرحلہ ہے جب انسان تعمیل احکام کے ساتھ ساتھ ان کی حکمت سے بھی آگاہی حاصل کرتا ہے۔ علامہ محمد اقبال کے ہاں یہ مرحلہ خود شناسی سے خدا شناسی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ تربیت خودی کا تیسرا مرحلہ نیابت الٰہی کا ہے،اس مرحلہپر انسان،انسان کامل بن جاتا ہے۔[۶]

خودی کی حفاظت میں تعمیری کے ساتھ ساتھ تخریبی قوتیں بھی برسر پیکار ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے کلام اقبال کے حوالے سے چند منفی اخلاقی اقدار کا بھی ذکر کیا ہے، جو خودی کی کمزوری وتباہی کا باعث بنتی ہیں۔ ان منفی اقدار میں نفرت، خوف، بدعنوانی ، بزدلی ، نقالی، بے ضمیری ، خوشامد، موقع پرستی اور دست سوال دراز کرنا ہے۔ ان کے نزدیک ان منفی اقدار سے انفرادی شخصیت کے زوال کا آغاز ہوتا ہیاور یہ زوال قومی غلامی ومحکومی پر منتج ہوتا ہے۔[۷] یعنی خودی کے فنا سے قوم کا مستقبل مخدوش اور خودی کیاستحکام سے اسے محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔ خودی کے ساتھ ساتھ اجتماعی خودی کی اصطلاح بھی علامہ محمد اقبال کے ہاں مستعمل ہے۔ خودی کا تعلق فرد سے جب کہ اجتماعی خودی کا تعلق معاشرہ ملت یا جماعت سے ہے۔ انفرادی خودی کا اجتماعی خودی میں کیا کردار ہے اور فرد اور جماعت کا آپس میں تعلق کتنا اہم ہے؟ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال کے نزدیک فرد کی انفرادیت کا برقرار رکھنا اوراس کی نشوونما ہی مقصد حیات ہے۔ فرد کے انفرادی ارتقا کے لیے جماعت کا وجود بھی ضروری ہے۔ فرد اور جماعت مادی اور روحانی لحاظ سے باہم وابستہ ہیں۔ افراد کی صلاحیتوں سے جماعت میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور جماعت، فرد کی شخصیت میں نظم وضبط پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح اجتماعی مسائل کے حل کے لیے افراد میں اعلیٰ مقاصد اوران کی تکمیل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔[۸] خودی فرد وملت کے رشتے کا محور ہے۔ خودی کا قرب حاصل حیات اور خودی سے دوری فنا یعنی موت کا پیغام ہے۔

ہر مذہب میں تحصیل علم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ خودی اور علم ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ علم حاصل کرنے کے ذرائع کون کون سے ہیں اور ذرائع علم سے حاصل کردہ معلومات کو پرکھنے کے پیمانے کون سے ہیں؟ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال کے ہاں علم کی خصوصی اہمیت ہے۔ اور علم انفرادی خودی کی نشوونما اور اجتماعی خودی کے ارتقا کے لیے اشد ضروری ہے۔ حصول علم کے ذرائع میں سب سے اہم عقل ہے جس سے

حاصل کردہ علم کا تعلق فکری، قیاسی یا خیالی علوم سے ہے۔اس کا ماہر عالم کہلاتا ہے۔۹ تحصیل علم کا دوسرا ذریعہ حواس ہے جس کا تعلق تجربے اور مشاہدے سے ہے۔اس کے ماہر کو حکیم یا سائنسدان کہتے ہیں۔تحصیل علم کا تیسرا ذریعہ وجدان یا عرفان ہے، جس کی بنیاد احساس پر رکھی گئی ہے،اس علم کو معرفت کا نام دیا گیا ہے اور اس کے ماہر کو عارف کہا جاتا ہے۔۱۰ ان ذرائع علم میں کس حد تک صداقت پائی جاتی ہے اور ان سے حاصل کردہ معلومات کی صحت کے متعلق جانچنے کے معیارات کون سے ہیں؟ عقلی و مشاہداتی علوم کی صحت کے متعلق شکوک وشبہات کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔علامہ محمد اقبال کے نزدیک وجدان یا عرفان سے حاصل کردہ معلومات اس حقیقت تک پہنچاتے ہیں جس کی طرف ناقدانہ تعبیر اس کی رہنمائی کرتی ہے۔عملی معیار میں روحانی مشاہدے کی صحت کو اس کے نتائج کے حوالے سے جانچا جاسکتا ہے۔ان کے مطابق عقلی معیار سے فلسفی اور عملی معیار سے نبی کام لیتا ہے۔۱۱ فلسفۂ اقبال میں تحصیل علم پر زور دیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ علامہ محمد اقبال نے نئے علوم کے حصول کی طرف رہنمائی اور اسلامی علوم کی تعبیر نو پر زور دیا ہے۔

اسی مقصد کے پیش نظر احیائےعلوم کی تحاریک چلیں۔علامہ محمد اقبال نے جس طرح احیائے اسلام کی بات کی تھی اسی طرح علامہ محمد اقبال تہذیب کے احیا کی بات بھی کرتےہیں۔ان کے نزدیک اگر احیائے مذہب کے ساتھ احیائے علوم کی تحریک نہ چلائی گئی تو مسلمانوں کے مسائل حل نہ ہوسکیں گے اور تہذیب اسلامی کا جدید اسلوب یا سانچہ وجود میں نہیں آسکے گا جس کا خواب اقبال نے دیکھا تھا۔۱۲ علامہ محمد اقبال نے تہذیب اسلامی کی بات کی تھی۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق احیائے تمدن اسلام،علوم،ادبیات اور فنون کے فروغ ہی سے وجود میں لایا جاسکتا ہے۔اس کے لیے معاشرے کے افراد میں تجسس کا جذبہ مسلسل زندہ رہنا چاہیے۔علوم میں گزشتہ ترقی کو حرف آخر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ علم کے ذخائر میں موجود کوتاہیوں کی نشاندہی کرے اور ناقابل حل مسائل کا حل پیش کرے۔ علامہ محمد اقبال کے نزدیک یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب معاشرے میں فکر اور عمل کرنے والے افراد کی خودی مسلسل بیداری کی کیفیت میں رہے۔۱۳ علامہ محمد اقبال ادب وفن کے فروغ کے کن معیارات کو برقرار رکھنا چاہتے تھے اور ان کے نزدیک فنون کا مقصد حیات انسانی کے لیےکیا اہمیت رکھتا ہے؟ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق:

> ’’آرٹ حیات انسانی کے تابع ہے۔اس کی قدر و قیمت کا معیار یہی ہے کہ اس میں حیات بخشی کی صلاحیت کتنی ہے۔بقول اقبال ارفع آرٹ وہی ہے جو قوم کی خوابیدہ قوت عزم کو بیدار کرے اور زندگی کی آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ترغیب دے۔مگر وہ سب کچھ جس کے اثر سے ہم اونگھنے لگیں یا حقیقت سے ہمیں فرار کی راہ ملے،انحطاط اور موت کا پیغام ہے۔۱۴

مشرق ومغرب کے فلاسفہ میں انسان کامل کا تصور ملتا ہے۔علامہ محمد اقبال کا انسان کامل کا تصور بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔علامہ محمد اقبال کے تصور انسان کامل پر الزام لگایا گیا کہ انھوں نے یہ تصور مغرب سے مستعار

لیا ہے۔اس کے جواب میں ڈاکٹر جاوید اقبال تحریر کرتے ہیں کہ علامہ محمد اقبال کا انسان کامل جو استحکام خودی سے وجود میں لایا جاسکتا ہے وہ یورپی نہیں بلکہ اسلامی فکری روایات سے منسلک ہے۔۱۵؎ ڈاکٹر جاوید اقبال نے مغرب کے مختلف فلاسفہ کے ہاں انسان کامل کے تصور کا تجزیہ پیش کیا ہیاور بالخصوص اقبال کے مرد کامل اور نطشے کے فوق الانسان میں امتیاز کی وضاحت کی ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال کا انسان کامل عشق،فقر، جرات اور حریت ایسی اخلاقی اقدار کو اپنا کر تکمیل ذات کرتا ہے اور یہی قدار علامہ محمد اقبال کے فلسفۂ خودی کی بنیاد ہیں۔جب کہ نطشے کا فوق الانسان خالص مادی ہے۔اس کا تعلق روحانی وااخلاقی اقدار سے نہیں۔علامہ محمد اقبال کا انسان کامل فرد سے زیادہ جماعت کو اہمیت دیتا ہے اور معاشرے پر سب کچھ قربان کردیتا ہے۔جب کہ نطشے کا فوق الانسان کا معاشرے سے کوئی تعلق نہیں۔حاکمیت کو وہ اپنا حق اور عوام کو محکوم سمجھتا ہے۔علامہ محمد اقبال کا انسان کامل تکمیل ذات کے بعد خدا کا معاون وہمکار بن جاتا ہے، جب کہ نطشیکا فوق الانسان خدا کی ہستی کا قائل نہیں۔اس کے نزدیک کائنات کا کوئی روحانی مقصد نہیں۔۱۶؎

خودی،اجتماعی خودی کے تصورات کے ساتھ ساتھ علامہ محمد اقبال نے خودی کے پہلو کو خدا کے ساتھ بھی منسلک کیا ہے۔علامہ محمد اقبال نے خدا کو خودِ مطلق قرار دیا ہے۔اگر خدا کو خودِ مطلق قرار دیا جائے تو ذات خدا کا بھی تعین کرنا پڑے گا۔وجود خدا کو ثابت کرنے کیلیے عقلی وایمانی دلیلیں پیش کی گئیں۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال وجود خدا کے حوالے سے دو دلیلیں پیش کرتے ہیں۔پہلی دلیل جس کی بنیاد عشق (وجدان وعرفان) پر رکھی گئی ہے۔انھوں نے وجدان وعرفان کو عشق کی ہی ایک لطیف صورت قرار دیا ہے۔علامہ محمد اقبال حضرت محمد ﷺ کو انسان کامل تسلیم کرتے ہیں۔ان کے نزدیک اگر آنحضرت ﷺ نے کہہ دیا کہ خدا ہے تو ان کے لیے خدا کے وجود کو ثابت کرنے کی خاطر یہی دلیل کافی ہے۔علامہ محمد اقبال کی دوسری دلیل کی بنیاد فلسفہ پر ہے کہ اگر عقل، مشاہدہ اور وجدان کو بیک وقت استعمال میں لایا جائے تو وجود خدا ثابت ہوتا ہے، یعنی تینوں علوم ایک دوسرے کی تائید وتصدیق بیک وقت کریں۔۱۷؎ علامہ محمد اقبال نے اگر خدا کو خود مطلق قرار دیا ہے اور وجود خدا کے لیے دلیلیں پیش کی ہیں تو علامہ محمد اقبال کے تصور خدا پر یہ اعتراض کہ جب کسی ذات کو شخصیت کے حوالے سے تصور کیا جائے تو محدود، لامحدود کی بحث جنم لیتی ہے۔اس اعتراض کا جواب بقول ڈاکٹر جاوید اقبال:

> ’’خدا اپنے نام سے پکارا جانا پسند کرتا ہے......اللہ مطلب یہ کہ وہ خود اپنے آپ کو ایک اصول یا عنصر سمجھنے کی بجائے شخصیت تصور کرتا ہے۔اس کا کوئی جسم نہیں نہ خلا میں اس نے مادے کی شکل میں کوئی جگہ لے رکھی ہے۔نہ خلا میں اس کی ذات کا کوئی پھیلاؤ یا وسعت ہے۔لیکن بلا تجسیم وہ ایسی شخصیت خالص ہے، جو اپنی تخلیقی فعلیت کے ممکنات میں جو اس کے وجود کے اندر مضمر ہیں لا متناہی ہے۔۱۸؎

خودی اور خودِ مطلق کی وضاحت مزید آسان کرتے ہوئے ڈاکٹر جاوید اقبال تحریر کرتے ہیں کہ جس طرح خودی سے مراد انکشافِ ذات ہے بعینہ اسی طرح خودِ مطلق کی فطرت میں بھی اپنی تخلیقی فعلیت کے لامتناہی ممکنات کو مسلسل منکشف کرتے چلے جانا ہے۔[۱۹] علامہ محمد اقبال کے فلسفۂ خودی کا منتہائے نظر انکشافِ ذات ہے۔ خودی کے مختلف مراحل اور مختلف کیفیات کا ذکر بھی آتا ہے۔ نبی، ولی اور شاعر کے ہاں خودی کی کیفیات کا ظہور کس صورت میں ہوتا ہے۔ نبی اور ولی میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ محمد اقبال کہتے ہیں کہ صوفی یا ولی وصال کے روحانی تجربے سے مسحور ہو جاتا ہے کہ وہ واپس نہیں آنا چاہتا لیکن اس کی واپسی یقینی ہوتی ہے، اس لیے انسانیت کے لیے کسی خاص اہمیت کا سبب نہیں بنتی۔ نبی کی واپسی تخلیقی اعتبار سے نہایت اہم ہوتی ہے۔ نبی تاریخ کی قوتوں پر قابو پاتا ہے اور نظریات و عقائد کی ایک نئی دنیا وجود میں لاتا ہے۔ نبی کا یہ روحانی تجربہ اس کی خودی کے لیے مہمیز ہے۔ اس کے وجود میں بیداری سے اس کی خودی مستحکم ہو جاتی ہے اور وہ انسانوں میں ایک نیا مذہبی اور تمدنی انقلاب لے کر آتا ہے۔[۲۰] علامہ محمد اقبال کے ہاں وجدان و عرفان سے تحصیلِ علم کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔ علامہ محمد اقبال کے نزدیک عرفان ہی سے معرفت کا حصول ہوتا ہے اور مختلف لوگوں کے ہاں اس کے مختلف روپ ہوتے ہیں۔ صوفی و ولی کے ہاں کشف کی صورت میں، ارفع شاعری میں القا کی صورت میں اور نبی کے ہاں وحی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ علامہ محمد اقبال کے نزدیک نبی کی خودی ولی اور شاعر سے کہیں زیادہ مستحکم ہوتی ہے۔ اس لیے شعورِ نبوت، شعورِ ولایت و شعورِ شعر گوئی سے برتر ہے۔ علامہ محمد اقبال پیغمبرانہ خصوصیات کی حامل شاعری کو ارفع قرار دیتے ہیں اور شعورِ نبوت سے متاثر تصوف کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال کے نزدیک ارفع شاعری اور اسلامی تصوف کا مقصد معاشرے میں روحانی و تمدنی انقلاب برپا کرنا ہے۔ جس طرح خودی کے استحکام کے لیے تربیتِ خودی کے مختلف مراحل کا ذکر کیا گیا ہے اسی طرح علامہ محمد اقبال نے انفرادی و اجتماعی خودی کے زوال کے اسباب کا ذکر بھی کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال کے نزدیک انفرادی و اجتماعی خودی کے زوال کی تین وجوہات ہیں۔ اول سلاطین کی مطلق العنانیت جو سیاسی زوال کا سبب بنی۔ دوم علما کی تقلید پرستی جو علمی و فکری اور تمدنی زوال کا باعث بنی۔ سوم صوفیا کی بے عملی جس کے سبب غیر اسلامی نظریات کو فروغ حاصل ہوا اور نتیجے کے طور پر مسلمان روحانی زوال کے ساتھ ساتھ حرکت و عمل کی صلاحیت سے محروم ہو گئے۔[۲۱]

ڈاکٹر جاوید اقبال کے نزدیک علامہ محمد اقبال کے ہاں شخصیت کا تصور ہمیں اقدار کے معیار کے تعین میں مدد اور خیر و شر کے تصور میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ شخصیت کا استحکام خیر کی طاقت اور شخصیت کی کمزوری شر کی طاقت ہے۔ فن، مذہب اور اخلاقیات سب کو شخصیت کے انھی معیارات میں جانچنا چاہیے۔ مسلمانوں کے انحطاط کا سبب بھی اسی فلسفہ کی تعلیم تھی جو نفیِ خودی پر زور دیتا ہے۔ ایسے نظام نے اخلاقیات کی بنیادیں کمزور کر دیں۔[۲۲]

خودی اور تصوف کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ محمد اقبال کا نقطۂ نظر وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے اسلامی تصوف کی مختلف خامیوں کی نشاندہی کی ہے اور درویشی اور خانقاہی نظام کو

مسترد کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال وجودی تصوف کے مخالف تھے وہ خانقاہی تصوف کی مخالفت بھی اس لیے کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک وہ شعور نبوت سے عاری ہے۔۲۳ علامہ محمد اقبال نے تصوف اور خانقاہی نظام کی خامیاں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ درویشی نظام کا ایک نیا تصور پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق:

> اقبال چاہتے تھے کہ روایتی درویشی کا رنگ بدل جائے۔ وہ آج کے درویش کو سکون پرست ہونے کی بجائے سخت کوش دیکھنا چاہتے تھے...... وہ چاہتے تھے کہ درویش صرف خلوت گزین نہ ہو بلکہ خارجی اور باطنی فطرت کا رمز آشنا اور فکر و نظر میں انقلاب پیدا کرنے والا ہو۔ یعنی وہ مشاہدۂ فطرت بھی کرے اور اصلاح ملت بھی۔ بقول اقبال جس درویش کا ملت اسلامیہ کے زوال یا اس کی تباہ حالی سے کوئی واسطہ نہ ہو اور جو اپنی بصیرت سے ملت اسلامیہ کے مسائل کا حل پیش نہ کر سکے وہ درویش نہیں بلکہ راہب ہے یا رشی ہے۔ جو درویشی انقلاب آفریں نہیں وہ کسی کام کی نہیں۔۲۴

علامہ محمد اقبال نے خودی کی مختلف جہات اور مظاہر بیان کیے ہیں۔ ان کا تصور شیطان اپنے طور پر منفرد ہے۔ شیطان جہاں ہمیشہ منفی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، لیکن علامہ محمد اقبال کا تصور خودی اثبات اور حرکت سے پیوستہ ہے۔ اس لیے وہ شیطان کی متحرک شخصیت میں چند مثبت پہلو دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید نے علامہ محمد اقبال کے ایک فارسی شعر

چاک کن پیراہن تقلید را
تا بیا موزی از و توحید را

کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ علامہ محمد اقبال کے نزدیک توحید ایسی حقیقت ہے جسے شیطان تسلیم کرتا ہے اس لیے شیطان سے بھی توحید کا سبق لیا جا سکتا ہے۔۲۵ ڈاکٹر جاوید اقبال نے باؤسانی کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ علامہ محمد اقبال کے ہاں شیطان کی شخصیت کے پانچ اہم پہلو نمایاں ہیں۔ وہ نمایاں پہلو شیطان کا حسن تدبیر، عمل پیہم، شیطان کا خدا کا رقیب ہونا، شیطان عاشق اول و عاشق توحید، شیطان تخلیق خدا اور شیطان کی سیاسی شخصیت ہیں۔ شیطان کی شخصیت کے منفی پہلو اپنی جگہ مسلم ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے شیطان اور انسان کو خودی کے مختلف مظاہر قرار دیا ہے۔

اقبال کے ہاں شیطان بھی انسان کی طرح خودی اور حرکت کا مظہر ہے۔ نیز جس طرح شیطان راندہء درگاہ ہی اسی طرح انسان بھی خطا کار رہے۔ اس لیے دونوں اپنی اپنی جگہ پیچ و تاب میں مبتلا ہیں۔۲۶

خودی اور جبر و اختیار کا مسئلہ بھی ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب ''افکار اقبال'' (تشریحات جاوید) کا موضوع ہے۔ انسان مجبور محض ہے، یا انسان کا دائرۂ اختیار محدود کر دیا گیا ہے۔ علامہ محمد اقبال کے ہاں انسان کا تصور

تقدیر بہت منفرد ہے۔ وہ تقدیر پرستی کے روایتی یا مروجہ اسلامی تصور بطور قسمت یا قضا کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک ایسے تصورات کے فروغ سے ملت اسلامیہ زوال کا شکار ہوئی۔[۲۷] علامہ محمد اقبال کے نزدیک حضرت آدمؑ کا پہلا فعل بھی دراصل جوہر اختیار کا استعمال تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسی بنیادی خصوصیت کے ساتھ انسان کی تخلیق کی۔ علامہ محمد اقبال اس کائنات کو بھی نا تمام قرار دیتے ہیں۔ انسان کو اس کائنات کی تسخیر کی خاطر تخلیق کیا گیا تھا۔ ان کے نزدیک اگر انسان مجبور محض ہوتا تو وہ محض خیر کا انتخاب کرسکتا۔ انسان کے لیے شر کے انتخاب کی آزادی اس کا آزادء عمل ہے۔[۲۸] ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق:

> اقبال کا تصور یہی ہے کہ بحیثیت عقل کل خدا کو یہ سب تو معلوم ہےکہ کسی مسئلے کے حل کے لیے ہر انسان کے پاس کیا کیا یا کتنے طریقے موجود ہیں۔ مگر انسان بجائے خود اس مسئلے کو حل کرنے کی خاطر کون سا طریقہ منتخب کرے گا یہ اس کے علم میں نہیں۔ پس اقبال کے نزدیک انسان ایک وسیع الممکنات مخلوق ہے۔ وہ اپنے لیے جو چاہے تقدیر اختیار کرسکتا ہے۔''[۲۹]

کائنات کی تغیر پذیری اور مسئلہ زمان بھی فلاسفہ کے ہاں زیر بحث رہا ہے۔ کئی فلاسفہ نے کائنات کی تغیر پذیری کو واقعات کی ترتیب کا بار بار دہرانا قرار دیا ہے۔ کائنات کی ارتقا پذیری اور تحرک کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔ علامہ محمد اقبال کیہاں مسئلہ زمان ومکاں کی کیا اہمیت ہے؟ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال کے ہاں زمان ومکاں کا مسئلہ ذہن وجسم کی مانند ہے، یعنی زمان ذہن اور مکاں جسم۔ اسی لیے علامہ محمد اقبال مکاں سے زیادہ زمان کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے مطابق زمان کے حقیقی ہونے کی بنیاد ہی کائنات کی حرکت اور ارتقا پذیری ہے۔ اگر کائنات ساکن ہوتی تو مسئلہ زماں کا وجود ہی نہ ہوتا۔ علامہ محمد اقبال نے خودی کے پہلو فکری انا کا تعلق زمان حقیقی سے جوڑا ہے۔ اور زمان کی یہی قسم غیر مسلسل آزاد اور حقیقی ہے۔ علامہ محمد اقبال کے نزدیک زمان خالص کے متعلق آگاہی عقلی طور پر نہیں وجدانی طور پر ہوتی ہے اور یہی دوران خالص علامہ محمد اقبال کے نزدیک زمان الٰہی ہے۔[۳۰] انھوں نے اس لیے انسان اور حیوان میں تمیز کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسان زمان مسلسل میں الجھنے کی بجائے زمان خالص یا زمان حقیقی کو تلاش کرنے کی سعی کرے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال کے ہاں خودی میں ڈوب کر ایک نئی دنیا کی تلاش کی جاسکتی ہے۔

اگر ان کی خودی صحیح معنوں میں بیدار ہو اور انھیں زمان خالص کا احساس ہو جائے تو ان کی تخلیقی قوت لحظہ بھر میں ایک نئی دنیا وجود میں لاسکتی ہے۔[۳۱]

علامہ محمد اقبال نے جب مسلم قوم کے زوال کے اسباب کا پتا چلایا تو غلامی ایک ایسا عنصر تھا جس کے سبب مسلمان ذہنی وفکری پسماندگی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کسی بھی معاشرے کے افراد یا کوئی قوم جب محکومی کا شکار ہوجاتی ہے تو یہ پہلو ذات کی نفی پر منتج ہوتا ہے۔ کون سے ایسے عوامل ہیں جو کسی بھی قوم کا مستقبل محتاجی ومحکومی کی طرف

دھکیلتے ہیں۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق کسی بھی عقیدۂ حیات کا متحمل ہونے کے لیے معاشرے کے افراد میں جوہر خودی کا ہونا لازم ہے۔یہی عنصر اسے اپنی اساس سے منسلک رکھتا ہے۔اور اس کی غیرت، بقا اور آزادی کی ضمانت ہوتا ہے۔اگر کوئی قوم اپنے اساسی تصور کو رد کر کے کسی دوسرے تصور کو اپناتی ہے تو وہ جوہر خودی سے محروم ہے۔ایسی قوم کا مستقبل انتشار ،محتاجی ،غلامی اور محکومی کے سوا کچھ نہیں۔۳۲ خودی کی آزادی، نظم وضبط اور خودء مطلق اور خودء محدود کی باہم پیوستگی کے بارے میں ڈاکٹر جاوید اقبال رقمطراز ہیں: ''خودی اپنی بصیرت ، نظم وضبط ،مقصدیت اور تصرف کی بدولت بجائے خود ایک آزاد علیت ہے۔گویا خودء مطلق نے خودء محدود آزادی کو گوارا کر کے اپنی آزادی کو محدود کر لیا ہے۔''۳۳

خودی سے محرومی، نفی ذات سے منسلک ہے۔اور یہ عمل انسان تقدیر رضامندی کی طرف لے جاتا ہے۔ علامہ محمد اقبال نے بھی اسلاف کے اس عمل کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ان کے نزدیک زوال فکر کے اس دور میں اگر وہ عملی دنیا سے علیحدگی اختیار کرنے کی بجائے ملت کی رہبری کی کوشش کرتے تو عین ممکن تھا کہ مسلمان بہت سی گمراہیوں سے محفوظ رہتے۔علامہ محمد اقبال کے ہاں قضا اور رضا کا امتیاز واضح ہے۔قضا یا تقدیر ایسا عمل ہے جس کے پابند طبیعیات ،نباتات اور جمادات ہیں۔تقدیر کا مقلد خود حرکت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کی موت وحیات یا مسرت وغم تقدیر کے تغیر سے وابستہ ہیں۔ان کے نزدیک مسلمان جب احکام الٰہی کا پابند ہو تو جوں جوں اس کی خودی مستحکم ہوتی ہے وہ اپنے تدبر اور تخلیقی عمل کے ذریعے قضا کی قید سے آزاد ہو کر خدا کا ہمکار بن جاتا ہے۔خودی کے استحکام کا یہ عمل اس بات پر منتج ہوتا ہے کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا اس کی رضا کو ملحوظ رکھنے لگتا ہے۔۳۴

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے ،بتا تیری رضا کیا ہے۳۵

بحیثیت قوم ہمارے قومی وجود کا انحصار بھی جوہر خودی سے منسلک ہے۔خودی کے استحکام میں ہماری بقا ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق: ''علامہ کی نگاہ میں ہمارا قومی وجود ہمارے جوہر خودی کی نمود پر منحصر ہے۔اگر یہ جوہر بے نمود ہو جائے تو ہمیں اپنی بقا کی فکر کرنی چاہیے۔''۳۶

حیات بعد موت اور بقائے دوام کے مسئلہ پر علامہ محمد اقبال کو بعض فلاسفہ کے نظریات سے اختلاف ہے۔ان کا تصور حیات بعد موت و بقائے دوام خودی سے جڑا ہوا ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال حیات بعد موت اور بقائے دوام میں امتیاز کرتے ہیں۔حیات بعد موت اور جزا وسزا کا عمل جڑا ہوا ہے۔علامہ محمد اقبال نے نیکی و بدی پر جنت و دوزخ کے مقامات کو کیفیات کا نام دیا ہے۔ان میں سے کوئی عمل مسلسل نہیں۔ان تجربات کے بعد اگر انسان ابدی موت کا خواہشمند ہے تو وہ اسے حاصل کر سکتا ہے، جب کہ بقائے دوام کو علامہ محمد اقبال اللہ کی طرف سے انعام قرار دیتے ہیں، جو شھدا یا اللہ کیمقرب لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔حیات بعد موت

پر یقین کے حوالے سے علامہ محمد اقبال کہتے ہیں کہ اس پر یقین عقلی دلائل سے نہیں بلکہ ایمان ایسے ذرائع سے حاصل ہوسکتا ہے۔ انھوں نے حیات جاوداں کی تلاش کے لیے خودی کیزمان خالص کے احساس سے مشروط کر دیا ہے۔[۳۷]

علامہ محمد اقبال کو مفکر پاکستان بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے الہ آباد کے تاریخی خطبے میں مسلم ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا اور بعد میں قائداعظم کی قیادت میں ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ انھوں نے جس مسلم ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا اس کا تعلق بھی براہ راست خودی سے جڑا ہوا ہے۔ انفرادی خودی کے ساتھ علامہ محمد اقبال اجتماعی خودی پر زور دیتے ہیں تو اس اجتماعی خودی کی بنیاد پر مسلم معاشرے کا قیام چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق:

> ''اقبال مسلمانوں کو انفرادی خودی اور اجتماعی خودی کی اہمیت کا احساس دلا کر ایک نیا مسلم معاشرہ وجود میں لانا چاہتے تھے اور یہ معاشرہ رنگ، نسل، زبان یا علاقے کے اشتراک کے بجائے اشتراک ایمان کی بنیادوں پر مسلمانان عالم کے اتحاد ہی کے ذریعے وجود میں لایا جاسکتا تھا۔ یعنی مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد اشتراک وطنی نہ ہو بلکہ اشتراک ایمانی ہو۔[۳۸]

علامہ محمد اقبال کا تصور ریاست بھی ان کے فلسفۂ خودی کے مختلف مظاہر سے وابستہ ہے۔ علامہ محمد اقبال کے تصور ریاست میں انسانیت کو بنیادی مقام حاصل ہے اور وہی ریاست ان کے نزدیک بہتر ہےجو اپنے عوام کے حقوق کا خیال رکھے۔ عوام کو حقوق برابری کی بنیادوں پر فراہم کرے۔ ان کے نئے مسلم معاشرے کی بنیاد آزادی پر ہے اور یہ آزادی مذہبی آزادی کے ساتھ فکری آزادی بھی ہے۔ انھوں نے اپنے سیاسی فلسفے میں روحانی جمہوریت کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال کے نزدیک اسلامی ریاست کا اصل مقصد روحانی جمہوریت کا قیام ہے۔ یعنی ایسی ریاست جو استحکام انسانیت کے ساتھ ساتھ ہر مذہب کے لوگوں کو احترام دے۔[۳۹] علامہ محمد اقبال نے جہاں مسلم ریاست کے حصول کے لیے تصور پیش کیا بعینہ وہ برصغیر کے مسلمانوں سے یہ توقع رکھتے تھیکہ وہ مسلم قومی ریاستوں کے اتحاد کے لیے سعی کریں۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ محمد اقبال کے ہاں یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلم قومی ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ تمدنی، اقتصادی اور عسکری معاہدوں میں وابستہ ہوں۔ انھیں یقین تھا کہ اتحاد عالم اسلام کسی نہ کسی ہیئت میں ایک سیاسی یا جغرافیائی حقیقت بن جائے گا۔ انھوں نے مسلم ممالک کے اتحاد کو عربوں کے اتحاد سے مشروط قرار دیا ہے۔[۴۰] علامہ محمد اقبال کی روحانی جمہوریت جو مسلم قوم کو ایمانی بنیادوں پر مجتمع کرے اور اقلیتوں کو مذہبی آزادی کا یقین دلائے ایسی روحانی جمہوریتیں ہی مستقبل میں اتحاد عالم اسلام کی داعی بن سکتی ہیں۔ دنیا جہاں اتحاد انسانیت کے لیے اخلاقی نظام معیشت کے قیام پر زور دے رہی تھی۔ علامہ محمد اقبال نے کہا کہ مستقبل میں انسانیت کی بقا کی خاطر اتحاد آدم کے قیام کے لیے محض اخلاقی نہیں بلکہ روحانی اقدار کے احیا کی ضرورت ہے۔[۴۱] علامہ محمد اقبال کے تصور روحانی جمہوریت کی اساس

انسان دوستی پر قائم ہے۔ انھوں نے مستقبل میں ارفع مذہب کے تصور کو اپناتے ہوئے اور اپنے مذہب سے وابستہ رہتے ہوئے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو احترام دینے کا نظریہ پیش کیا۔ ان کے نزدیک مستقبل میں انسانیت کی بقا کا انحصار اتحادِ آدم اور ارفع مذہب کے تصور سے ممکن ہے۔[۴۲]

مجموعی طور پر ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ محمد اقبال کے فلسفۂ خودی کے مختلف مظاہر کی تفہیم بہت سہل اور واضح انداز میں کی ہے۔ فلسفۂ خودی کے یہ زاویے افکار اقبال کی ترویج کی بنیادی کڑی ہیں۔

حواشی:

۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، اپنا گریباں چاک، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص ۲۱۳
۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء) ص ۱۳
۳۔ ایضاً، ص ۱۴،۱۵
۴۔ ایضاً، ص ۱۶،۱۷
۵۔ ایضاً، ص ۱۹،۲۰
۶۔ ایضاً، ص ۲۱،۲۲
۷۔ ایضاً، ص ۲۴
۸۔ ایضاً، ص ۲۶
۹۔ ایضاً، ص ۳۳،۳۴
۱۰۔ ایضاً، ص ۳۵،۳۶
۱۱۔ ایضاً، ص ۳۶
۱۲۔ ایضاً، ص ۴۵
۱۳۔ ایضاً، ص ۴۲،۴۳
۱۴۔ ایضاً، ص ۴۷
۱۵۔ ایضاً، ص ۵۰
۱۶۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء) ص ۵۶
۱۷۔ ایضاً، ص ۵۸
۱۸۔ ایضاً، ص ۵۹
۱۹۔ ایضاً، ص ۶۰
۲۰۔ ایضاً، ص ۶۵
۲۱۔ ایضاً، ص ۶۶

۲۲۔ محمد سہیل عمر، طاہر حمید تنولی، مقالات جاوید (ڈاکٹر جاوید اقبال)، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۱۱ء) ص ۱۸۹

۲۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء) ص ۶۹

۲۴۔ ایضاً، ص ۷۱

۲۵۔ ایضاً، ص ۷۷

۲۶۔ ایضاً، ص ۸۰

۲۷۔ ایضاً، ص ۸۴

۲۸۔ ایضاً، ص ۸۶،۸۷

۲۹۔ ایضاً، ص ۸۷

۳۰۔ ایضاً، ص ۹۴،۹۵

۳۱۔ ایضاً، ص ۹۸

۳۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مئے لالہ فام، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۳ء) ص ۱۵۵

۳۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطبات اقبال، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء) ص ۱۲۵

۳۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مئے لالہ فام، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۳ء) ص ۱۴۸، ۱۴۷

۳۵۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۹۸

۳۶۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مئے لالہ فام، (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۳ء) ص ۱۵۴

۳۷۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء) ص ۱۰۲،۱۰۳

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۰۸

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۴۸

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۳۲،۱۳۳

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۴۲۔ ایضاً، ص ۱۴۸

مآخذ:

۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، اپنا گریباں چاک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء

۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، افکار اقبال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، خطبات اقبال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء

۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مقالات جاوید لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۱۱ء

۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، مئے لالہ فام، لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، ۲۰۰۳ء